جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل میں علمیات کی اہمیت اور کردار

(ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے پہلے خطبے "علم اور مذہبی مشاہدات" کے تناظر میں)

The Importance and Role of Epistemology in the Reconstruction of Modern Islamic Civilization

(In light of first sermon "Knowledge and Religious experience" of Dr. Allama Mohammad Iqbal)

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Kausar Ali
Faculty Member at MIU, Department of Philosophy; Assistant Prof. at FHES Department philosophy and inter-disciplinary sciences.
E-mail: kausar.kim110@gmail.com

Abstract:
In the present era, the problem of reconstruction of a modern Islamic civilization is one of the most important challenging issues for Islamic thinkers, scholars and philosophers. Despite possisson of a great scientific and culturally rich heritage, valuable lands and youngest manpower, the Islamic world is unable to reconstruct a desired modern Islamic civilization. What is the solution?
Allama Iqbal has addressed the problem. He has mentioned the current and near future scientific, philosophical, political, social and educational problems and presented a comprehensive theoretical and practical philosophy solution. He considers, the comprehensive epistemology as a key of construction of modern Islamic civilization that can play a fundamental role in the development and perfection of any nation.
He rightly identify that the history of thought revolves around epistemology. Due to Kant's criticism on pure reason, the entire Western civilization was based on empiricism

categorically, but due to the lack of metaphysical rationality, relation with God and metaphysical totally ignored that brought server consequences for them.
On the other hand, as a result of Imam Ghazali's ideas, both rationality and empiricism were abandoned in Islamic society. Additionally due to the lack of scientific standards for Sufi observations, hundreds of Sufi schools emerged that only preach peace, but their role in collective progress and perfection is not visible. If it is established a comprehensive epistemology, we will soon be able to lay the foundation stone of a desired Islamic civilization.

Key words: Epistemology, Reconstruction, Islamic Philosophy, New-theology, civilization, Sensual Perception, Intellect, Intuition, Heart.

خلاصہ

عصر حاضر میں اسلامی مفکرین، علما اور فلسفیوں کے نزدیک جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل کا مسئلہ عالم اسلام کے لیے انتہائی مسائل اہم میں سے ایک مسئلہ ہے۔ عالم اسلام ایک عظیم علمی اور ثقافتی میراث کا وارث ہونے باوجود اور قیمتی زمینی ذخائر کا مالک ہونے اور نوجوان ترین افرادی قوت رکھنے کے باوجود جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل نو کرنے سے قاصر ہے۔ اسی خاص ہدف کے تحت، علامہ اقبال نے علما، مفکرین اور اسکالرز کے سامنے، جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل کے مسئلے اور اس کے مطلوبہ راہ حل پیش کیا اور موجودہ اور مستقبل قریب کی علمی، فلسفیانہ، سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی مشکلات کا ذکر کیا اور ایک جامع حکمت نظری اور عملی پیش کی۔ اسی حکمت نظری کا سب سے اہم ترین رکن، نظریہ علم اور علمیات کی اصلاح کا نظریہ پیش کیا کیونکہ ایک ہمہ گیر علمیات کسی بھی قوم کی ترقی اور کمال میں بنیادی کردار ادا کر سکتی ہے کرتی ہے۔
ہر دور میں ایک خاص علمیات تمام علوم پر حاکم ہوتی جو کسی معاشرے کے تمام افراد اور اداروں کو ایک خاص جہت دیتی ہے۔ اس علمیات کے نتیجے میں ایک خاص قسم کا تفکر و تعقل حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے تفکر کی تاریخ، علمیات اور نظریہ علم کے گرد گھومتی ہے، لہٰذا جدید تہذیب کی بنیاد رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ علمیات اور نظریہ علم کو ہمہ گیر انداز میں پڑھا اور پڑھایا جائے۔ کانٹ کی عقل محض پر نقد کی وجہ سے پوری مغربی تہذیب، تجربہ پسندی پر استوار ہوئی لیکن مابعد الطبیعاتی عقلانیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ذات واجب تعالیٰ اور عالم تجرد سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ دوسری طرف، امام غزالی کے نظریات نتیجے میں اسلامی معاشرے سے عقلیت اور تجربہ پسندیت دونوں نے

رخت سفر باندھ لیا اور صوفیانہ مشاہدات کا علمی معیار نہ ہونے کی وجہ سے سینکڑوں صوفیانہ مکاتب سامنے آئے جو فقط امن کا پرچار تو کرتے ہیں لیکن اجتماعی ترقی و کمال میں ان کا کردار نظر نہیں آتا۔ علامہ اپنے علمیاتی آراکے اثبات کے لئے قرآن کریم سے استدلال کے علاوہ عالم اسلام کے عظیم فلسفیوں، سائنسدانوں، علما اور مفکرین کی عملی روش بھی نمونہ کے طور پر بیان کرتے ہیں جو عالم اسلام میں ترقی اور کمال کا باعث بنی۔آج اگر ہم اگر ایک ہمہ گیر علمیات کو اپناتے ہیں تو جلد ہی ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ جدید اسلامی تہذیب کا سنگ بنیاد رکھ سکیں۔

کلیدی الفاظ: تشکیل، الٰہیات، تہذیب، علمیات، حس، عقل، تجربہ، قلب، ادراک، وجدان۔

تعارف

ہر دور میں ایک خاص نظریہ علم اور علمیات Epistemology ہوتی ہے جو تمام علوم پر حاکم ہوتے ہوئے ان کو ایک خاص جہت دیتی ہے۔ اس علمیات کے نتیجے میں ایک خاص قسم کا تفکر و تعقل حاصل ہوتا ہے، جسے عقلانیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے علمیاتی آراکے ذریعے برصغیر کے مسلمانوں کو جدید اسلامی تمدن کے خدوخال سے روشناس کروایا۔ علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ مرحوم نے بھی الہیاتی افکار کی تشکیل نو Reconstruction of Islamic Religious Thought کی بات ہے، ان خطبات کا بہترین اور اردو علمی ترجمہ بھی اقبالؒ کے زیر نگرانی شروع ہوا تھا جو سید نذیر نیازی مرحوم نے کامل کیا اور اردو زبان میں ان کا عنوان " تشکیل جدید الہیات اسلامیہ "۔ افکار کی تشکیل نو، علمیات کے بغیر ممکن نہیں ہے، اسی لیے ان کے خطبات میں علمیات کا موضوع پر رنگ نظر آتا ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ انہوں نے الہیات کے افکار کی تشکیل نو کے لئے کہ جس میں فلسفہ و مابعد الطبیعیات بھی شامل ہیں، بنیادی طور پر علمیاتی مسائل کے حل پر زور دیا ہے تاکہ ایک مطلوب اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھی جا سکے۔ علامہ اقبالؒ مرحوم فقط عقل اور تجربے سے مربوط علوم اور مسائل کو زیر بحث نہیں لاتے بلکہ وہ علم کے ایک اور معتبر ذریعے کو علمیات میں موضوع بحث قرار دیتے ہیں جسے قلبی ادراکات Intuitional Perceptions کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کے مطابق، حواس خمسہ Sensual perception اور عقلی ادراکات Intellectual Perception علاوہ قلبی ادراکات اور مشاہدات کو بھی علمیات میں اہمیت دینی چاہیے تاکہ ایک مطلوبہ اسلامی تہذیب کی طرف بڑھا جا سکے۔[1]

علمیات کی اہمیت اور ضرورت

ہر تہذیب اور تمدن کی ترقی اور کمال کا ایک اہم ترین راز، فلسفے کی ایک اہم ترین شاخ علمیات ہے جس کی بنیاد پر

انہوں نے ترقی و کمال کی منازل طے کیں۔ اسلامی تمدن کا ظہور اور اس کا عروج ایک خاص علمیات کی حاکمیت کا نتیجہ ہے۔ (ادراکات عقل، تجربہ اور قلب) قدیم یونان، قرون وسطی (Middle Ages)، رینا سانس (Renaissance)، عصر جدید، اور معاصر پر ایک خاص قسم کی علمیات حاکم تھی اور ان ادوار کی ترقی ایک خاص قسم کی علمیات کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا علمیات وہ علم ہے جو کسی بھی علم کو معتبر بنانے کا پیمانہ تعین کرتا ہے۔ اگر ہمارے پاس مختلف عقلی علوم کے قضایا کو پرکھنے کے لئے کسوٹی نہ ہو تو ہم معتبر اور غیر معتبر قضایا (and Valid invalid proposition) میں تمیز نہیں کر سکیں گے۔

ڈاکٹر علامہ اقبالؒ مرحوم کے فلسفیانہ افکار کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان ان کے خطبات کا گہرا مطالعہ کرے البتہ اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے انسان وجودیات، علمیات، فلسفہ اخلاق، فلسفہ سیاسیات، فلسفیانہ نفسیات، فلسفہ کائنات کو مناسب حد تک سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کے ان خطبات میں اہم ترین فلسفیانہ بحث علمیات سے مربوط ہے یعنی انہوں نے ہر اپنے ہر خطبے میں مختلف فلسفیانہ بنیادوں کو ذکر کیا ہے لیکن کلی طور علمیات کی بحث کو ان خطبات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں پر اہم ترین سوال یہ ہے کہ اب تک علامہ اقبالؒ کے ان فلسفیانہ افکار کیوں منظّم کام سامنے نہیں آ سکا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ مرحوم کے خطبات کی تشریح کو بیان کرنے کے لئے انسان کو فلسفہ دان ہونے ساتھ ساتھ، فلسفیانہ افکار اور مطالب کو آسان زبان میں بیان کرنے کا ہنر آنے چاہیے۔ یہ کام ابھی تک توجہ طلب ہے اور ہمارے معاشرے کی ضرورت ہے لیکن اس کام کی بنیادی شرایط ہیں، ہر پروفیسر اور عالم کے بس کی بات نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان خطبات کو فلسفیانہ فہم اور تشکیل نو کی ضرورت ہے ہمیشہ سے زیادہ ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ ان تمام فلسفیانہ ابحاث کو سمجھنے کے لئے علمیات کی معرفت بہت ضروری ہے ورنہ انسان علم اور فلسفے کے سمندر کی گہرائیوں میں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ذیل میں ہم علامہ اقبالؒ مرحوم کے خطبات کی فلسفیانہ بنیادوں کا ایک جدول بنایا ہے۔

ہمارے استاد اپنی شہرہ آفاق کتاب میں [2] بیان کرتے ہیں کہ انسان کے اہم ترین اور اساسی ترین سوالات اس کے شعور سے شروع ہوتے ہیں۔ اگر ان سوالات کا صحیح جواب تلاش نہ کیا جائے یا ان کی طرف توجہ نہ کی جائے تو انسان اپنی انسانیت سے گر جائے گا۔ اور غلط جواب کی صورت میں مسائل کا حل ممکن نہیں ہو گا۔ لہٰذا ہر دو صورت میں اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنے بنیادی سوالات کے صحیح جواب تلاش کرے۔

زندگی کے وہ بنیادی ترین سوالات کیا ہیں؟ میں کیا ہوں اور کہاں سے آیا ہوں اور مجھے کہاں جانا ہے اور کس ہدف کے لئے اس دنیا میں آیا ہوں؟ اگر جواب تلاش نہیں کریں گے تو حیوانی سطح پر پہنچ جائیں گے اور غلط جواب ملنے کی صورت میں اپنے مبدا سے کٹ جائیں گے اور اپنے ہدف سے دور ہو جائیں گے۔ پس انسان کو انسانیت کی

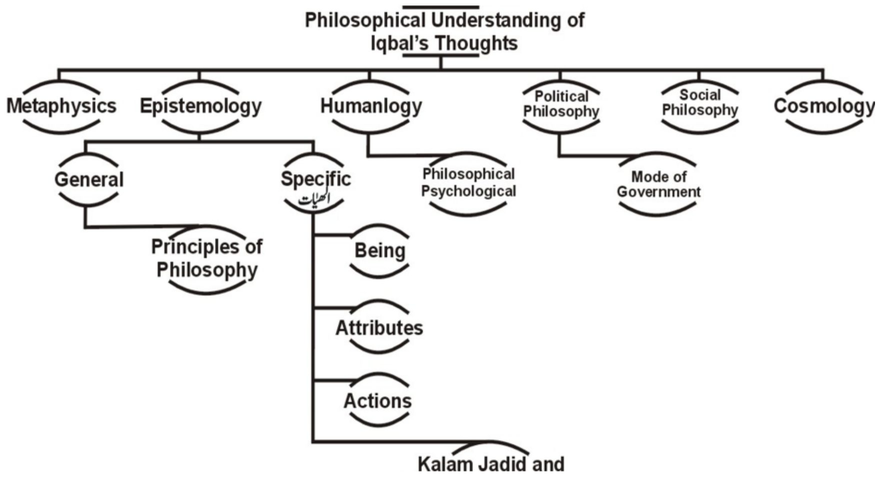

(جدول شمارہ ۱)

وادی میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سوالات کے صحیح جوابات تلاش کرے۔ صحیح جواب سے ہماری مراد عقلی طور پر جواب صحیح ہونا جسے ہم انگریزی زبان میں valid سے تعبیر کریں گے۔ علمیات ہماری مدد کرتی ہے کہ ہم فکر کے معیارات کو معین کرتے ہوئے الجھنوں کو سلجھائیں۔

فلسفے کی اس عظیم شاخ کی اہمیت سے آگاہ ہونا اس لیے بھی ضروری ہے ہم انسان کی فکر اور عمل کی اصلاح کے عقلی معیار کو تعین کر سکیں۔ انسانی کی بنیادی فکر اس کا تصور کائنات اور اس تصور کائنات کی بنیاد پر وہ معاشرے میں عمل کو انجام دیتا ہے یعنی جتنے بھی علوم انسانی ہیں وہ انسان کے فعل کو مختلف جہات سے توجیہہ کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جرائم اور معاشرتی انحرافات کی جڑیں، بنیادی طور پر، انسان کی کج فکری یا بد فہمی اور دوہری جہالت یعنی وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ نہیں جانتا کا نتیجہ ہوتا ہے جو انسان کو جرائم اور انحرافات کی طرف لے جاتی ہے۔ منحرف اور مجرم افراد سے سوالات کے ذریعے معلوم ہو جائے گا کہ ان کی فکر کیسے تبدیل ہوئی اور کس طرح جرائم اور انحرافات کی طرف بڑھے۔

پس تمام علوم اور بالخصوص علوم انسانی کی گہری فہم کے لئے ضروری ہے کہ انسان علمیات کی معرفت رکھتا ہو۔ دوسرے الفاظ میں انسان کے فردی اور اجتماعی فعل کی گہری معرفت اور اس کی مناسب اصلاح کے لئے اس علم کی معرفت ازحد ضروری ہے۔ بہت ساری علمی اور فلسفی تحریکوں کی جڑیں علمیات کی زمین میں نشوونما پاتی ہیں۔ خاص طور پر، مغربی دنیا میں، رینا سانس سے لے معاصر تک کی تحریکیں اور مختلف فلسفی مکاتب (Philosophical movements and school of thoughts) کی جڑیں علمیات میں پائی جاتی ہیں۔

مغربی دنیا میں فرانسس بیکن سے معاصر تک وجودیات (Ontology) کی جگہ علمیات نے رکھی ہے اسی لیے جب بھی آپ کسی فلسفی تحریک اور مکتب کا بغور ملاحظہ کرتے ہیں تو آپ معلوم ہو گا کہ ان اصلی ہدف علمیات مسائل ہیں، مثلاً؛ فلسفہ جدید میں فلسفی نسبیت پسندی(Philosophical relativism) اور شکاکیت (Skepticism) اپنے عروج پر نظر آتے ہیں۔

علمیات کی تعریف

علمیات کی تعریف مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے ذیل میں ہم تعریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں: علمیات، فلسفے کی وہ شاخ ہے جس میں انسان اپنے علم کے ذرائع کی شناخت، اس کے مبادی اور ذرائع کی شناخت اور ان کی پرکھ کے معیار اور میزان کا تعین کرتا ہے۔[3] علمیات علم کے فلسفیانہ مطالعے کا نام ہے جسے "نظریہ علم" بھی کہا جاتا ہے۔ فلسفے کی شاخ علم اور اس کی اقسام کو پرکھتی ہے۔اس میں علم کے ذرائع (Source)، ادراکات (Perceptions)، استقرا(Inductive)، تصدیق (Affirmation) کے بارے میں تحقیق کی جاتی ہے۔ یہ علم اعتقاد(Belief)، صدق(Validity)، توجیہہ (Justification)، تصدیق، دلائل اور شواہد علم (Evidences) سے بحث کرتا ہے۔[4] یہ اس سوال کے بارے میں بھی تحقیق کرتا ہے کہ لوگ کیا جان سکتے ہیں اور کیا نہیں جان سکتے۔[5] یعنی حس اور عقل کی توانائی، کی مدد سے ہم کس حد تک حقیقت اور واقعیت تک پہنچ سکتے ہیں۔

برصغیر میں مغربی فلسفیانہ افکار کی آمد اور اقبالؒ کا فلسفیانہ ردعمل

برصغیر کا خطہ دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک تہذیب ہے جو اپنے دامن میں مختلف تہذیبوں کو لیے ہوئے اور ان تہذیبوں کی ایک اپنی خاص فلسفی اور دینی اساس اور تصور کائنات ہے۔ برصغیر کے چار بنیادی ادیان؛ ہندومت یعنی البتہ ہندومت کے ماہرین رائے یہ ہے کہ ہندومت باقاعدہ دین نہیں ہے بلکہ جو اس خطے میں پیدا ہوتا ہے وہ ہندومت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ وہ ہندومت کو فطری دین سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق ہندومت کو ایک دین کا نام مستشرقین نے دیا ہے۔

دین مبین اسلام بھی اپنے فطری ہونے کو قرآن کریم میں بیان فرماتا ہے: فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، بدھ مت، جین مت اور سکھ مت کے علاوہ، اسلام اس خطے کا ایک بڑا دین ہے جو ایک خاص تصور کائنات کا حامل ہے۔ اس قدیم تہذیب کے ادیان کی کتب بھی قدیم ترین کتب سمجھی جاتی ہیں جن میں وجودیات، علمیات، فلسفہ اخلاق، فلسفہ عشق، فلسفہ سیاست پایا جاتا ہے، مثلاً؛ ہندومت کے معروف چار مقدس کتب ویدوں کے آخری حصے کو اپنشد کہتے ہیں جو دراصل ہندومت کا تصور کائنات کہلاتی ہیں یعنی نییا، وشیشیکا، سمکھیا، یوگا، ممیسی و ویدتا۔

انیسویں صدی تک، یہ خطہ مغربی دنیا کے فلسفی افکار سے نابلد تھا اور پھر اس خطے میں ۱۸۵۷ کے بعد باقاعدہ یونیورسٹیاں اور کالجز بننا شروع ہوئے تو یہاں مختلف ادیان و مذاہب کے علما مغربی فلسفی افکار سے آشنا ہوئے۔ ان فلسفی آفکار کی آمد کے ساتھ ہی ان علما نے مختلف قسم کے علمی رد عمل دینا شروع کیا۔ علامہ اقبالؒ مغربی تعلیم نظام کے طالب علم تھے اور اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری فلسفے میں حاصل کی، اقبال بعنوان مسلمان نے مغرب فلاسفر اور فلسفی افکار کے بارے میں اشعار کی صورت میں رد عمل دیئے ہیں لیکن ڈاکٹر علامہ اقبالؒ مرحوم کا مغربی فلسفیانہ افکار کے بارے میں ایک منظّم اور فلسفیانہ ردعمل ان کے خطبات "تشکیل جدید الہیات اسلامیہ" (Reconstruction of Islamic Religious Thoughts) کی صورت میں پایا جاتا ہے جو انہوں علی گڑھ ،مدراس، کلکتہ اور لندن میں بیان کیے۔

دراصل، یہ خطبات ایک آنے والی نسلوں کے لئے ایک شاندار فلسفی اور علمی میراث ہے جس میں انہوں نے دین اسلام کے بنیادی عقائد اور کلام اسلام کو پیش آنے والے چیلنجز کی طرف نہ فقط اشارے کیے ہیں بلکہ ان کے بارے راہ حل بھی بیان کیا۔ یہ تمام فلسفیانہ ، کلامی اور جدید شبہات ایک نئے مضمون کو تشکیل دیتے ہیں جس کو " کلام جدید" یعنی یہاں پر میں ایک مغالطے کا جواب دینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ مغالطہ یہ ہے کہ اکثر فضلا اور علما یہ سمجھتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ دین کے بنیادی کے عقائد کی تشکیل نو کے موضوع پر بات کر رہے ہیں۔ جبکہ حقیقت امر یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ یہ جسارت نہیں کرنا چاہتا بلکہ چند اہم ترین نئے فلسفیانہ اور کلامی مسائل کی طرف علما اور حکما کی توجہ کو مبذول کروانا چاہ رہے تھے تاکہ وہ ان کا فلسفیانہ اور عقلی راہ حل بیان کریں اور امت کو فکری مسائل سے نجات دیں اور ان کی راہنمائی کریں۔

علامہ اقبالؒ کا ان خطبات کا اردو عنوان " تشکیل جدید الہیات اسلامیہ " ہے جو سید نذیر نیازی نے ان کے زیر نظر ترجمہ کیا۔ یہ بات بھی ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اسلامی فلسفے اور کلام کے متون میں جب بھی الہیات کی اصلاح استعمال کی جاتی ہے جو اس سے مراد اسلامی فلسفہ اور کلام میں ذکر شدہ افکار ہیں۔ پس ڈاکٹر علامہ اقبالؒ علما اور فضلا کو درپیش اور نئے فلسفیانہ اور کلامی اشکالات کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کے جوابات کے لئے ان کے اذہان کو تیار کرنا چاہتے ہیں جو مغربی فلسفیانہ افکار کی صورت میں برصغیر پاک و ہند کی سرزمین میں باقاعدہ طور پر داخل ہو رہے اور مسلمانوں کی فکری حالت الحاد کی طرف لے کر جا سکتے ہیں۔ اور "فلسفہ دین" (Philosophy of Religion) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دراصل یہ مضمون دین کے بارے میں عقلی اور فلسفیانہ تفکر ہے کلام جدید کی اصطلاح عالم اسلام میں پہلی بار علامہ شبلی نعمانی استعمال کی۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ مرحوم کا ہدف بھی یہی تھا۔ استاد مطہریؒ بھی اسی بات پر تاکید کرتے ہیں کہ علم کلام جدید کی تشکیل بہت ضروری ہے۔ یہ خطبات ڈاکٹر علامہ اقبالؒ مرحوم کا ایک منظّم اور

فلسفیانہ رد عمل جو انہوں نے مغربی فلسفیانہ افکار کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد دیا تھا۔ ان خطبات میں علامہ اقبالؒ نے عالم اسلام میں "کلام جدید" کی شکل میں آنے والے چیلنجز کی نہ فقط نشاندہی کی ہے بلکہ ان کا راہ حل بھی بیان ہے اور مستقبل کے فلسفیانہ افکار کے نتائج کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ اقبالؒ کی تہذیب ساز علمیاتی آراء

تجربہ، استقراء، مشاہدہ، عقل اور قلب علامہ اقبالؒ کی نظر میں تہذیب ساز علمیات ہیں۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ مرحوم نے اپنے اشعار میں مغربی تہذیب پر غالب عقلانیت کی نفی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ یہ خاص قسم کی عقلانیت روز مرہ کی زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے لیکن انسانی آئیڈیل معاشرے کے لئے کافی نہیں۔ مغرب کی علمی دنیا میں عقلانیت (Rationality) اور (Rational) کی اصطلاح رینا سانس (Renaissance) اور روشن فکری (Enlightenment) کی تحریک کے دوران، علوم میں کثرت سے استعمال ہونے لگی۔

یورپی زبانوں میں یہ لاطینی لفظ (Ratio) سے ماخوذ ہے جس کا معنی، حساب کتاب اور گننا ہے۔ پس جب Rationality کا لفظ یا اس سے مربوط الفاظ استعمال کیے جائیں گے تو اس کا معنی (حساب وکتاب) عقل معاش، عقل حسابگر عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی، عقل تاجرانہ کیا ہے تو نے متائے غرور کا سودا۔ فریب سود زیان لا الہ الا اللہ، عقل عیار و مکار عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔

فریب کشمکش دیدنی دارد --- که میر قافله و ذوق رهزنی دارد۔ (پیام مشرق)

(فریب کشمکش قابل دید ہے۔ کہ میر کاروان، راہزنی کا ذوق رکھتا ہے)

عقل خود محور عقل خودبینی دگر و عقل جهان بین دگر است (پیام مشرق)

(عقل خود بین اور اپنے محبت میں گرفتار اور ہے اور عقل جہان بین اور ہے، عقل کے دو مختلف مراتب کی طرف اشارہ ہے)

عقل خود بین از من ای باد صبا گوی به دانا فرنگ۔۔ عقل تا بال گشود است گرفتار تر است۔ (پیام مشرق)

(اے باد صبا میرا یہ پیام مغرب کے دانا افراد تک پہنچا دے کے عقل معاش جتنی بڑھی گی، اتنا ہی مشکلات زیادہ ہوں گی، عقل خود کفا نکل جا عقل سے آگے کہ یہ نور۔۔۔ چراغ راہ ہے منزل نہیں (عقل معاش ابزار ہے منزل تو نہیں)۔

عقل ابزاری عقل چون پای درین راه خم اندر خم زد۔۔۔شعله در آب دوانید و جهان برهم زد۔(پیام مشرق) (عقل معاش نے جب زندگی کے پیچ و خم میں قدم رکھا، تو پانی میں آگ لگا دی اور دنیا کو درہم

برہم کر دیا) ہے یہ سبھی ابزاری عقلانیت کے مختلف نام ہیں جن کو ڈاکٹر علامہ مرحوم نے اپنے اشعار میں مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ پس جب مغرب میں مختلف علوم میں عقلانیت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تو اس سے مراد ابزاری عقل اور تجربی عقل مقصود ہے۔

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ علامہ اقبالؒ نے اپنے پہلے خطبے میں عقل کی دین کی اساس اور معتبر ذریعہ قرار دیا ہے۔ ان کی نظر میں انسانی تہذیب اور تمدن کی بنیاد، عقلانیت کے اعلی درجے پر رکھی جانی چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ، تہذیب کی اپسٹمہ ہمہ گیر ہو جس میں حسی، عقلی اور قلبی ادراکات ایک دوسرے سے تعامل اور تعاون کی کیفیت رکھتے ہوں، خاص طور پر قلبی ادراکات کے لئے عقلی استدلال کسوٹی قرار پاتا ہے۔ انہوں نے ان ادراکات کے اثبات کے لئے قرآن کریم سے متعدد آیات سے مدد لی ہے۔

علامہ اقبالؒ اپنے پہلے خطبے کی ابتدا میں، علمیات کے معتبر ذرائع کی بحث کا آغاز کرتے ہیں کہ ہستی کو علمیاتی زاویے سے صوفی، عارف، شاعر، فلسفی، متکلم مشاہدہ کرتے ہوئے، معرفت کے معتبر ذریعہ کو تعین کرتے ہیں۔ لیکن معرفت کے کسی ایک ذریعہ علم کو معتبر مان لینا اور باقی کو نظر انداز کرنے سے ایک ہمہ گیر اپسٹمہ تشکیل نہیں پا سکتا۔ اگر انسان ایک علم کے حقائق کا ماہر ہو اور اس علم کی مدد سے اپنی ذات اور دنیا کو بہت زیادہ فائدہ دے رہا ہے تو بات مطلب ہر گز نہیں ہے کہ دوسرے علوم اور ذرائع علوم موجود ہی نہیں اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

اسلامی تفکر کی تاریخ میں صدر الدین شیرازی تک یہی کچھ ہوا ہے۔ علامہ اقبالؒ اپنے پہلے خطبے میں جدید اسلامی تہذیب کے لئے ایک ہمہ گیر اپسمٹہ کا نظریہ پیش کرتے ہیں جس کی مدد سے خوابیدہ امت کو بیدار کیا سکتا ہے اور بے حس قوم کو متحرک بنایا جا سکتا ہے۔ اگر اقبالؒ کی نظر سے ہم مذہب کا جوہر ایمان ہے لیکن مذہب کو عقلانیت سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔[6] لہٰذا یہ ایمان، مسیحت والے ایمان سے مختلف ہے، شیلرمارخ نے ایمان کا نظریہ پیش کر کے میسیحیت کو نجات دی کیونکہ ان کے پاس اپنے اپنی عقائد کے اثبات اور دفاع کے لئے دلائل موجود نہیں تھے۔ اسی عقل اور عقلانیت پر صوفیا نے ہمیشہ نقد کی ہے۔

اس حقیقت کی طرف ڈاکٹر علامہ اقبالؒ اپنے پہلے خطبے میں اشارہ کرتے ہیں: " بقول صوفی کے کہ فلسفی اندھا ہے اور عقل کی لاٹھی سے آگے بڑھتا ہے۔ صوفی کی نظر میں عقل ایک راہزن ہے جو زندہ انسان سے اس کی مخفی دولت کو چھین لیتی ہے۔ گویا وہ ایک ایسا پرندہ ہے جو اپنا نشان راہ دیکھ لیتی ہے۔"[7] ہمہ گیر اپسٹمہ نہ ہونے کی وجہ ایک خاص علمی تعصب جنم لیتا ہے اور اس تعصب نے علمی ترقی اور کمال کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔

بہر حال اقبال نے دین یعنی دین کی تعریف: عام حقائق کا نظام ہے، اگر خلوص سے مانا، اور جیسا کہ حق ہے سمجھ لیا جائے تو اس سے سیرت اور کردار بدل جاتے ہیں۔ (پروفیسر وائٹ ہیڈ) اور عقل اور عقلانیت کا ایک قریبی

اور مضبوط رابطے کی طرف نہ فقط اشارہ کیا ہے بلکہ اس ضمن میں، انہوں نے پچھلی صدی کے معروف ریاضی دان اور منطق دان پروفیسر وائٹ ہیڈ کی نظر بیان کی ہے: "مذہب کا ہر عہد عقلیت کا عہد تھا۔"[8] یہاں پر علامہ اقبالؒ متعصب علمیاتی نگاہ پر نقد نظر کرتے نظر آتے ہیں: "سائنس سے بڑھ کر دین کو عقلی اساس کی ضرورت ہے۔ سائنس نے مابعد الطبیعات کو نظر انداز کیا ہے لیکن مذہب یہ کام نہیں کر سکتا۔"[9]

علامہ اقبالؒ کی اس نگاہ سے ہمارے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ ہم دین کے بنیادی عقائد توحید، نبوت اور قیامت (عدل توحید کی صفات میں سے ہے اور امامت، ختم نبوت کے بعد دین کے حفاظت اور نفاذ کے ایک منظّم الٰہی نظام ہے) کو عقلی استدلال کے ذریعے سے ثابت کر سکیں جس کے لئے قرآن کریم نے ہمیشہ انسانوں کو تعقل، تدبر، تفکر، تذکر کی دعوت دی ہے۔

قرآن کریم میں ۴۹ مرتبہ ع، ق، ل کا مادّہ استعمال ہوا ہے اور سب فعل کی صورت میں استعمال ہوا ہے۔ ۴۸ مرتبہ فعل مضارع اور ایک بار فعل ماضی کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ بہت ساری آیات میں (پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زبان سے) جب "اَفَلَا یَعقِلون" کا ذکر ہوا ہے تو قرآن کریم انسان کی سرزنش یا حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کو سوچنے سمجھنے پر مجبور کرتا ہے اور دعوت فکر دیتا ہے تاکہ وہ حق کی بات کو عقل کے ذریعے قبول کریں اور اپنی فہم و فراست اور ادراک و معرفت کو بہتر اور بیشتر کریں۔[10]

یہ بات منطقی نہیں ہے کہ ہم فقط کسی ایک ذریعہ علم کو معتبر قرار دیں یا ہم یہ توقع رکھیں کے کہ تمام قسم کے حقائق اور واقعیات کو ہم فقط ایک ہی ذریعہ سے ثابت کریں۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ عقل اور وجدان (قلب) دونوں کا سرچشمہ ایک نہیں ہے۔ اس مطلب کو وہ تفصلی انداز میں بیان کرتے نظر آتے ہیں: "پھر اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ فکر (عقل) اور وجدان (قلب) بالطبع ایک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور ایک دوسرے کی تکمیل کا سبب بنتے ہیں۔ ایک جزواًجزواً حقیقت مطلقہ پر دسترس حاصل کرتا ہے، دوسرا من حیث الکل۔

ایک کے سامنے حقیقت کا دوامی پہلو ہے، دوسرے کے زمانی۔ گویا وجدان (قلب اور دل) اگر بیک وقت تمام حقیقت سے لطف اندوز ہوتے کا طبگار ہے تو فکر (عقل) اس راستے پر رک رک کر قدم اٹھاتا اور اس کے مختلف اجزا تخصیص و تحدید یعنی تعریف اور حد بندی کرنا، کرتا چلا جاتا ہے تاکہ فرداًفرداً ان کا مشاہدہ کر سکے۔ دونوں اپنی تازگی اور تقویت کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور دونوں اس حقیقت کے لقاکے آرزو مند باعتبار اس منصب کے جو انہیں زندگی میں حاصل ہے۔ ان پر منکشف ہوتی رہتی ہے۔"[11] ذیل میں قلب اور عقل کے درمیان تعامل کی کیفیت کو ملاحظہ کریں۔

(جدول شمارہ ۲)

یہاں پر ہم بین سطور سے ایک اہم ترین اور متعالیٰ مطلب کو سمجھتے ہیں جس کا تعلق صدرالدین شیرازی اور علامہ ہادی سبزواری کے فلسفیانہ مکتب سے ہے۔ وہ مطلب یہ ہے کہ عقل اور قلب میں وحدت ہے اور دونوں ہی نفس کے دو مرتبے ہیں، **النفس فی وحدتها کل القوی**۔ وجودی اعتبار سے ان میں وحدت ہے لیکن مراتب کے اعتبار سے ان میں فرق پایا جاتا ہے۔ نفس کی وحدت سے کثرت پھوٹتی ہے اور یہی کثرت وحدت کی طرف لوٹتی ہے(Singularity Singularity into plurality and Plurality into)۔ عمل کے مرحل پر، قلب اور عقل میں پر اشتراک اور افتراق کے ساتھ ساتھ تعامل بھی پایا جاتا ہے اور اعلیٰ ترین مرتبے پر پہنچ دونوں وحدت نظر آتی ہے۔ علامہ اقبالؒ یہاں پر ہنری برگساں کی فلسفیانہ رائے کو بیان کرتے ہوئے، مغربی اور اسلامی فلسفیوں کے فکر میں مشترک نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں: "وجدان، (عقل یعنی اصل متن میں علامہ اقبال نے intellect کا لفظ استعمال کیا ہے) فکر کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔"[12]

اسلام میں عقلی اساسات کا آغاز

علامہ اقبال اسلام خاص یعنی اسلام خاص کی اصلاح، اسلام عام کے مقابلے میں استعمال کی جاتی ہے یعنی اسلامی عام وہی اسلام ہے جسے تمام انبیا کرام علیہم السلام کے کر آئے جبکہ وہی اسلام اپنی کچھ خاص خصوصیات کے ساتھ اسلام خاص کہلاتا ہے۔ جیسے ختم نبوت اور ختم شریعت اور ختم کتب آسمانی، کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ اسلام کی عقلی اساس کا آغاز یعنی قرآن کریم میں مختلف انسانی ادراکات کا ذکر ہوا ہے (جو عقل و فکر سے مربوط ہیں) اور یہ تقریبا بیس الفاظ پر مشتمل ایک مجموعہ ہے: مثلاً؛ ظن، حسبان، شعور، ذکر، عرفان، فہم، فقہ، درایت، یقین، فکر، رای، زعم، علم، حفظ، حکمت، خبرت، شہادت، عقل، فتوی و بصیرت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات

مبارک سے شروع ہو گیا تھا۔ اس پر بہترین شاہد آنحضرت کی دعا ہے جو آپ ہمیشہ کیا کرتے تھے: "اَللّٰھُمَّ اَرِنِی الۡاَشۡیَاءَ کَمَا ھِیَ"۔[13] اس دعا کے ذیل میں مرتضی مطہری مرحوم کہتے ہیں کہ اساساً وہ چیز جسے حکمت اور فلسفہ کہا جاتا ہے اس کا ہدف یہی ہے۔

درحقیقت اگر انسان، فلسفہ اور حکمت کی وادی میں داخل ہوا ہے تو اس کی وجہ اس کا فطری رجحان ہے کہ وہ حقیقت کو اور اشیا کے حقائق کو درک کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس رجحان اور حس کو "حس فلسفی" کا نام دے سکتے ہیں۔ آپ اسے "جستجو حققیت"، "مقولہ حقیقت"، "مقولہ فلسفی" یا "مقولہ دانائی" بھی کہہ سکتے ہیں۔ قدیم فلسفیوں میں سے، سب سے پہلے بو علی سینا نے ان اصطلاحات کو استعمال کیا ہے۔[14] علامہ اقبالؒ جدید اسلامی تہذیب کی تشکیل کے لئے ایک ہمہ گیر علمیات کو علما اور حکما کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی نظر میں، یونانی فلسفے نے مسلمانوں کے افکار وسعت پیدا کی لیکن آگے چل کر ان کی بصیرت، قرآن کریم میں بھی محدود ہو کر گی۔ وہ اپنے پہلے خطبے میں، فلسفیانہ تفکر کی تاریخ پر نقد نظر کرتے نظر آتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ مختلف مکاتب علمیات پر نقد کو یونان سے شروع کرتے ہیں۔ وہ سقراط کی وجودیات اور علمیاتی نگاہ پر نقد کرتے ہوئے کہتے کہ وہ فقط انسان تک محدود ہے۔ سقراط، عالم کائنات اور اس کے موجودات بے تعلق سے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح افلاطون کو بھی ادراک بالحواس سے نفرت رہی چونکہ حواس سے ہم یقینی علم تک نہیں پہنچ سکتے۔ ابن رشد کی شہرت ان کے فلسفیانہ نظریات کی وجہ سے پورے یورپ میں پھیل گئی تھی لیکن علامہ اقبالؒ ان پر بھی ناقد نظر آتے: "میری رائے میں اس تصور کے سرتاسر خلاف ہے جو قرآن پاک نے نفس انسانی کی قدر و قیمت اور مقصود و منتہا کے بارے میں قائم کیا۔ یوں ابن رشد اسلام کے ایک نہایت اہم اور پر معانی تصور کے فہم سے قاصر رہا اور نادانستہ ایک فرسودہ اور سست رگ فلسفہ حیات کے نشو و نما کا سبب بنا جس سے انسان کو نہ تو اپنی ذات میں کوئی بصیرت حاصل ہوتی ہے نہ خالق کائنات اور کائنات میں۔"[15]

ابن رشد کے بعد، علامہ اقبالؒ جہاں اشاعری مفکرین کی تعریف کرتے ہیں وہاں پر شدید نقد بھی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی نظر میں، اشاعری مفکرین کا دل و دماغ نسبتاً تعمیری تھا، وہ صحیح راستے پر گامزن تھے اور انہوں نے فلسفہ عنیت کی جدید ترین شکلوں کی بنیاد ڈالی لیکن ان کا ہدف محدود تھا۔ ان کا ہدف فقط کلامی حد تک محدود تھا اور چاہتے تھے کہ یونانی جدلیات کی مدد سے اسلام عقائد کی حمایت کی جائے۔[16] اس کے بعد علامہ اقبالؒ معتزلہ کے علمیاتی کج فکری پر نقد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ معتزلہ کے مطابق مذہب نام ہے عقائد کا، نہ حقائق کا جو زندگی کے لئے ناگزیر ہیں۔ مذہب، تصورات کے نظام کا مجموعہ ہے ہیں: "معتزلہ یہ نہیں سمجھے کہ علم کی دنیا میں خواہ اس تعلق مذہب سے ہو یا سائنس سے، فکر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ عالم محسوسات سے اپنا رشتہ کلیتاً منقطع کر لے۔"[17]

اس کے بعد علامہ اقبالؒ، کانٹ اور امام غزالی کی علمیات اور نظریہ علم پر نقد کرتے نظر آتے ہیں جو محدود اور نقائص

سے پر اور جامعیت سے محروم ہے۔کانٹ نے عقل کی حد بندی کر دی جو ذاتاً ممکن نہیں ہے اور بتا دیا کہ عقل کے ذریعے ہم ماورائے طبیعت موجودات خدا اور نفس مجرد (یعنی انسان اپنی ذات اور نفس کو تجربے سے ثابت کرے جبکہ نفس انسان غیر مادی ہے اور غیر مادی اشیا کو تجربی روش سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ کو درک نہیں کر سکتے۔کانٹ کی نظر میں، ہمارے ذہن میں تمام اشیا کو زمان اور مکان میں ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ پس شناخت کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ ہم چیزوں کو زمان اور مکان کے اندر ہی تصور کرتے ہیں اور ان کے بغیر شناخت ممکن نہیں ہے۔

کانٹ اپنے اصول اور کلیات کے ساتھ خدا کا انکار کرتا ہے، کانٹ خدا کا منکر نہیں ہے بلکہ وہ عقل کے ذریعے خدا کے اثبات کا منکر ہے لہذا خداوند متعال کے اثبات کے برہان اخلاقی کا سہارا لیتا ہے۔ کانٹ،ایک نئی فلسفی تحریک کا آغاز کرتا ہے جو تجربہ اور عقل کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اصلاً؛ ہماری عقل میں قدرت نہیں کہ وہ میٹافزکس مثلاً؛ خدا کو درک کر سکے کیونکہ ہماری عقل زمان و مکان میں مقید ہے۔ اور ہم ہمیشہ ادراک اور معرفت کے عمل کو زمان و مکاں کے زندان میں رہتے ہوئے انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا ہم حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے، جیسا کہ وہ ہے۔ یہ ہمارا ذہن ہے کہ چیزوں کو زمان و مکان کے آئینہ میں دکھاتا ہے۔ پس عاقل وہ ہو گا جو اس خاص اپسٹمہ پر عمل پیرا ہو گا۔ علامہ اقبالؒ، امام غزالی اور کانٹ پر سخت نقد کرتے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں:

"دونوں ہی بے خبر رہے اس حقیقت سے کہ تعقل اور تفکر اپنی متناہیت سے ہمیشہ تجاوز کر جاتے ہیں۔ فکر کی حد بندی نہیں کی جا سکتی،اس کے برعکس طبیعت اور فطرت کی حد بندی ممکن ہے۔ تعقل اور تفکر؛ لامحدودیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ فکر میں حرکت اس لیے ہے کہ اس کی ذات میں لامتناہیت موجود ہے۔ عقل اور فکر کو نارسا ٹھہرانا غلطی ہے۔ کیونکہ یہ بھی اپنے انداز میں متناہی، لامتناہی سے۔ کا ہم کنار ہونا ہے۔"[18] شہرہ آفاق فلسفی کانٹ اور اس کے مکتب کے پیرو کہتے ہیں کہ جو چیز جس طرح جہاں خارج میں موجود ہے وہ ہمیں ویسے نظر نہیں آتی اور نہ ہی ایسا ممکن ہے۔ گویا ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ! کیونکہ ہمارا ذہن جب حقائق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مجبور ہے کہ ہر چیز زمان اور مکان کے دروازے سے گزر کر ہمارے سامنے آئے۔ جب وہ ہم تک پہنچتی ہے۔

(Noman and Phenomen: "though we cannot know these objects as things in themselves, we must yet be in a position at least to think them as things in themselves; otherwise we should be landed in the absurd conclusion that there can be appearance without anything that appears")[19]

تو وہ ویسی نہیں رہتی جیسا اس کو ہونا چاہیے۔ پس ہم چیزوں کو ویسے نہیں دیکھ سکتے جیسا کہ وہ موجود ہیں: **اللھم ارنی الاشیا کما ھی**، اے میرے پروردگار مجھے چیزوں ایسا دیکھا جیسا کہ وہ ہیں۔ پس کانٹ اشیا کی موجودیت کا

منکر نہیں بلکہ اس چیز کا انکار کرتا ہے کہ بیرونی دنیا میں جیسی چیزیں موجود ہیں ویسی نظر نہیں آ سکتیں۔ گویا یہ کانٹ کا فکری شہکار سمجھا جاتا ہے۔ اقبال کانٹ کے اس نظریے پر نقد کرتے نظر آتے ہیں اور کہتے ہیں کی عقل اور فکر کی حد بندی نہیں کی جا سکتی کیونکہ عقل کی ذات حد بندی کو قبول نہیں کرتی ہے۔[20] عقل ذات کے اعتبار سے عالم ملکوت تک پرواز کر سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں: "معلوم ہوتا کہ انسانی عقل، زمان و مکان، علیت اور بنیادی مقولات سے آگے نکل جائے گی۔"[21]

کانٹ اور امام غزالی کی عقلانیت نفی اور اس کے تہذیبی اثرات

ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب بھی تصور کائنات کے کسی بھی بنیادی رکن کے بارے میں فلسفیانہ نگاہ بیان کی جاتی ہے تو فقط کتاب کی حد تک محدود نہیں رہتی بلکہ سب سے پہلے وہ تمام علوم (انسانیات اور سائنسی) کی بنیاد بنتی ہے اور پھر انسان کی زندگی کے تمام شعبوں میں عملی طور پر نظر آتی ہے۔[22] پھر ایسا ہی ہوا، کانٹ جسے جرمنی کے لئے خداوند متعال کا سب سے بڑا تحفہ سمجھا جاتا تھا، اس کے نظریات کی وجہ سے دین کے عقائدے یعنی عقائد دین کسی اساس اور جڑیں ہوتے ہیں، والے حصے کو ہی دین سے الگ کر دیا گیا اور یوں بے دینی پھیلانا شروع ہوئی اور جب عقائد کے بغیر اخلاق معاشرے میں ظاہر ہوا تو، وہ اخلاق معنویت اور فریضے سے خالی تھا۔ دین اور عقلانیت کے درمیان جب آپس میں رابطہ منقطع ہوا تو اصلاً دین سے عقائد کے حصے کو ہی خارج کر دیا گیا، یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دین ایک حکیم مطلق کا انسان کے لئے ایک مکمل نسخہ حیات ہے اور اگر انسان دین کے تمام حصوں (عقائد اخلاق اور احکام) پر ایمان نہ لائے اور ان پر عمل پیرا نہ ہو تو نہ فقط کامل شفا نہیں ملے گی بلکہ اس کے نقصانات بھی ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔

ان نقصانات کی وجہ ہے کہ دین کے اجزا اور حصے وجودی طور پر ایک دوسرے جڑے ہوئے ہیں اور ان کا امتزاج ایک مکمل خوبصورت نظام کو تشکیل دیتا ہے۔" کانٹ کا انسان زمان و مکان کے قید و بند میں نظر آتا ہے اور اس کے لئے ماورای طبعیت کو سمجھنا ممکن نہیں، (Metaphysics is impossible) حتی وہ خدا کے وجود پر عقلی دلیل لانے سے قاصر ہے۔ فقط دلیل اخلّاقی کا سہارا لے کر خدا کے وجود کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔" عقائد کے ترک کرنے سے اخلاق نے افادیت پسندی (Pragmaticism) کا رنگ اختیار کر لیا اور یوں عقلانیت کے زیر اثر بے دینی عام ہونے لگی۔ یوں کانٹ نے مغرب سرزمیں پر فلسفیانہ افکار میں عقلانیت کا زور توڑ دیا اور انسانوں افکار کو فقط تجربہ پسندی (Empiricism)، شکاکیت (Skepticism) اور نسبیت (Relativism) کی طرف جہت دی۔ استاد مصباح یزدی کانٹ پر خوبصورت نقد کرتے ہیں کہ اخلاق کو زندہ کرنے کی کوشش کی لیکن میٹافزکس کا انکار کر دیا۔

He explicitly declared that problems such as the existence of God, the eternity of the soul and free will could not be established by rational proofs, but that belief and faith in them is implied by the acceptance of an ethical system, in other words, it is an accepted principle of the precepts of practical reason, and that it is ethics which calls us to faith in the resurrection, not the reverse. For this reason, Kant must be considered as a reviver of ethical values, which after the Renaissance were subject to instability and were in danger of fading and being obliterated. On the other hand, he must be considered to be one of the destroyers of the foundations of metaphysical philosophy.[23]

مشرقی سرزمین پر امام غزالی نے بھی عقلانیت کا زور توڑ دیا۔ علامہ اقبالؒ ان پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں: "امام موصوف نہیں سمجھے کہ عقل اور وجدان یعنی قلب، الہام شہود یہ سب وجدان کے مترادف الفاظ میں سے ہیں اور علامہ اقبالؒ نے اسی خطبے میں اس نکتے کی وضاحت کی ہے۔ میں ایک نامی رشتہ کام کررہا ہے"[24] اور یوں عالم اسلام پر غالب علمی افکار کی نہج، عقلانیت سے دور ہوتی چلی گئی۔ امام غزالی کے بعد، صدرالدین شیرازی نے جس حکمت متعالیہ کی بنیاد رکھی جس نے عرفا، فلسفیوں اور متکلمین کے بنیادی مسائل کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا، وہ عظیم شخصیت صدرالدین شیرازی المعروف ملاصدرا ہیں جنہوں نے اپنے فلسفے 'حکمت متعالیہ' کو کلامی، برہانی، عرفانی اور قرآنی روشوں سے اس طرح مزین کیا ہے کہ ان میں وحدت نظر آتی ہے مگر اس وحدت کا مرکز اور محور قرآن کریم ہے۔ حکمت متعالیہ وہ عظیم فلسفہ ہے، جس پر برصغیر کی اہم ترین شخصیات نے کام کیا ہے، مثلاً؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور دیوبند مکتب کی نامور شخصیت سید مناظر احسن گیلانی صاحب، ان دونوں شخصیات نے صدرالدین شیرازی کی کتاب، اسفار اربعہ کی دو جلدوں کا بہت ہی خوبصورت اردو ترجمہ کیا۔[25]

اور اس فلسفے کے ذریعے سے انہوں نے ثابت کیا کہ عرفان، برہان اور قرآن میں وحدت پائی جاتی ہے اور مرکزیت قرآن کریم کو حاصل ہے۔ حکیم متالہ جناب جوادی آملی صاحب کہتے ہیں: "حکمت متعالیہ اپنے کمال کو عرفان، برہان، قرآن اور وحی وحدت میں جستجو کرتی ہے۔ یہ حکمت ہر ایک دوسرے سے مستقل جانتی ہے، ان کے درمیان ہم آہنگی کے اطمینان اور عدم اختلاف کے ساتھ، سب کو ایک دوسرے کے قریب دیکھتی ہے۔ یہ حکمت ہم آہنگی کے اندرونی امتحان کے لئے قرآن کریم کو مرکز قرار دیتی ہے۔"[26] لیکن عالم اسلام کی اکثریت ان کے فلسفے سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے اب بھی امام غزالی کے بعد، اسلامی فلسفے اور حکمت کو زوال پذیر سمجھتے ہیں یعنی عقلانیت کی نفی کرتی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت یہ سمجھتی ہے کہ امام غزالی کے بعد شاہ ولی

اللہ دہلوی ہی بڑے فلسفی ہیں۔ بہر حال علامہ اقبالؒ دونوں پر ہی نقد کرتے شدید نقد کرتے نظر آتے ہیں: "کانٹ اور غزالی دونوں اس حقیقت سے بے خبر رہے کہ علم کے ہر عمل میں فکر اپنی متناہیت سے تجاوز کر جاتا ہے۔"[27] علامہ اقبالؒ اپنی فلسفیانہ نقد کی تائید میں کہتے ہیں: "اس کے ماوراجو وسیع عالم ہے اس میں کوئی شے بھی اس سے بیگانہ نہیں بلکہ یہ بظاہر وہی بیگانہ عالم ہے جس کی زندگی میں بتدریج حصہ لیتے ہوئے فکر اپنی حدود کو توڑ ڈالتا اور اس لامتناہیت سے لطف اندوز ہوتا ہے جو بالقوہ اس میں پوشیدہ ہے اور جس کا مطلب یہ ہے فکر میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو محض اس لیے کہ اس کی متناہیت میں لامتناہی بھی مضمر رہتا ہے۔ وہی اس کے شعلہ آرزو کو برقرار رکھتا اور وہی اس کی بے پایاں جستجو میں اس کو سہارا دیتا ہے۔ فکر کو نارسا ٹھہرانا غلطی ہے کیونکہ یہ بھی اپنے انداز میں متناہی کا ہم کنار ہونا ہے لامتناہی سے۔"[28]

جدید اسلامی تہذیب کا نکتہ آغاز

اقبالؒ کی نظر میں ہمارے دور کی زوال کی علت یہ ہے مسلم امت کے نوجوانوں پر کچھ ایسے افکار غالب آچکے ہیں جنہوں نے انہیں غیر متحرک کر دیا ہے۔ مسلم دنیا تیزی سے مغربی دنیا کی طرف بڑھ رہی ہے لیکن یہاں پر بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ مغرب کی ترقی اسلامی تہذیب کی مرہون منت ہے اور ترقی کی جہت سے اسلامی تہذیب کی ترقی یافتہ شکل ہے، علامہ اقبالؒ کہتے ہیں: "ہمیں اس تہذیب کی ظاہری آب و تاب سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ظاہری صورت مغربی تہذیب کے حقیقی جوہر، ضمیر اور باطن کو دیکھنے سے ہمیں محروم کر دے گا۔"[29] یہ وہ حساس مقام ہے جہاں ہمارے محققین اور علما اور نوجوانوں کو پیامبر خاتم ﷺ کی دعا پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مغربی تہذیب حقیقت، باطن اور جوہر کو دیکھ سکیں۔

؎ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوے دانش فرہنگ　　سرمہ ہے مری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف (علامہ اقبال مرحوم)

فلسفیانہ افکار کے پیچ و خم سے گزر کر علامہ اقبالؒ یہاں پر ایک مرکزی سوال محققین اور علما کے ذہن میں اٹھاتے ہیں اور یہ ہے کہ کیسے یورپ میں یہ انقلابی تبدیلی آئی؟ وہ اس بات کا انتہائی خوبصوت اور دقیق جواب دیتے ہیں: "یورپ نے ان مسائل میں نہایت گہرے غور و فکر سے کام لیا جن سے کبھی مسلمان فلسفیوں اور سائنس دانوں کو دلی شغف رہا ہے۔"[30] دوسرے الفاظ میں فلسفی عقلی روش کے کائنات اور کے اس کے آغاز و انجام اور اس کی خلقت کے ہدف میں تعقل، تدبر اور تفکر کرتا ہے جبکہ سائنس دان، کی روش تجربے، مشاہد اور استقرا کے ذریعے سے کائنات کا پر حاکم قوانیں کو کشف کرتا ہے۔ یہ وہ نسخہ ہے جس پر امت کے نوجوانوں کو عمل کرنا ہے۔ اصل میں نسخہ قرآنی نسخہ ہے، قرآن کریم میں حواس خمسہ کے لئے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوے ہیں: بصر، سمع، نظر، رای، ذوق، اِذن، عین، انس، نظر، ان کو علم کا معتبر ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ علامہ

اقبالؒ نے متعدد آیات ذکر کی ہیں۔ یعنی حسی، عقلی اور قلبی ادراک کو یکساں اہمیت دینا جیسا کہ قرآن کریم ان کو انسانی ترقی اور کمال کے یکساں اہمیت دی ہے۔

علامہ اقبالؒ تو عظیم فلسفی ہادی سبز واری اور ان کے فلسفے سے بہت متاثر تھے اور اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا عنوان (Development of Metaphysics in Persia) میں انہوں ہادی سبز واری کے فلسفیانہ افکار زیادہ کام کیا ہے، صدرالدین شیرازی نے حکمت متعالیہ کے نام سے ایک ہمہ گیر اپسٹمہ کو پیش کیا ہے۔ لہٰذا ہم پر غالب افکار جو اسلام کے نام پر ہم مسلط کر دیئے گئے ان کی بھی تشکیل نو کی ضرورت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ حقیقی اسلام اور اس کی علمیاتی نگاہ ہم سے کوسوں میل دور ہو۔ اب جبکہ علم و حکمت، سیاست و فلسفے کی دنیا میں بہت کچھ تبدیل ہو رہا ہے تو ہمیں بھی اپنے افکار پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں: "لہٰذا وقت ہے کہ ہم اسلام کے بنیادی اصولوں کا جائزہ لیں، چنانچہ ان خطبات میں بھی میرا یہی ارادہ ہے کہ اسلام کے بعض اساسی افکار کی بحث فلسفیانہ نقطہ نظر سے کروں تاکہ اور نہیں تو بہت ممکن ہے ہم حقیقت ہی کو آسانی سے سمجھ سکیں کہ بحیثیت ایک ایسے پیام کے جس کا خطاب ساری نوع انسانی سے ہے اسلام کے معنی کیا ہیں۔

مزید یہ کہ اس طرح جو سلسلہ بحث قائم ہو اس کا ایک بنیادی سا خاکہ قائم کرنے کے لیے ہم اس تمہیدی خطبے میں اس مسئلے پر بھی نظر ڈالیں کہ علم کی نوعیت کیا ہے اور مذہبی مشاہدات کی کیا۔"[31] لہٰذا ہمیں جدید اسلامی تمدن کی تشکیل کے لئے اپنی علمیاتی نگاہ پر نظر ثانی کرنا ہو گی۔ ذیل میں دیئے گئے جدول پر نگاہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ ہمارا آغاز کہاں سے ہونا چاہیے:

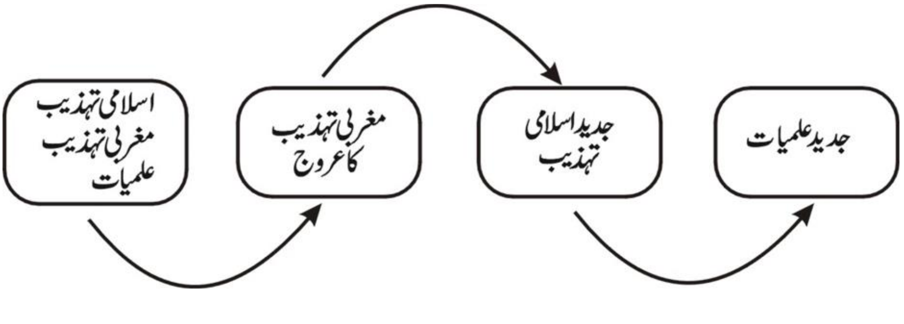

(جدول شمارہ ۳)

نئی تہذیب تشکیل کا آغاز ان کے بنیادی ترین روابط کی معرفت ہے۔ اس معرفت کے ذریعے سے انسان مختلف حقائق، مادی، غیر مادی، اور اعتباری کو درک کرتا ہے اور پھر اس کائنات کے مبدا اور مقصد سے اپنے رابطے کو مضبوط کرتا ہے۔ اپنی ذات کی معرفت حاصل کرتا اور اپنے اعتباری معاشرے کے اپنے بہترین تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان روابط کی تنظیم کا نام ایک نئی تہذیب کا آغاز ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں: "قرآن مجید

کا حقیقی مقصد تو یہ ہے کہ انسان اپنے اندر ان گونا گوں روابط کا ایک اعلیٰ اور برتر شعور پیدا کرے جو اس کے اور کائنات کے درمیان قائم ہیں۔"[32]

حکمت متعالیہ کی نگاہ سے ہر چیز کا وجود واجب اور غنی محض سے رابطہ، رابطہ اشراقی، رابطہ فقری ہے، یہ رابطہ ایک طرفہ ہے چونکہ دوسری طرف ہمیشہ اپنے وجود کے لئے محتاج ہے جیسا کہ سورج کی کرن اور شعاع گویا اور ایک ربط محض ہے۔ یعنی ہر چیز نہ صرف اپنے وجود اور اس کی بقا کے لئے دائماً غنی محض کے محتاج ہیں: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (15:35) ترجمہ: "اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، سزاوارِ حمد و ثنا ہے۔" اصولی طور پر ان کا الگ سے کوئی وجود نہیں ہے بلکہ جب تک ذات غنی سے متصل ہیں اور اگر یہ اتصال ختم ہو جائے تو وہ عدم ہیں۔ حقیقت میں اس رابطے کو ایک طرفہ رابطہ کہا جاتا ہے: يَسْأَلُهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (29:55) ترجمہ: "سب اسی سے مانگتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے۔"

انسان کا سب سے پہلا رابطہ، خود اس کی اپنی ذات سے ہے۔ اپنی ذات کی معرفت، اسے اپنے رب کی معرفت عطا کرتی ہے۔ علم نفس (Philosophical Psychology)، ایک شریف ترین اور نفیس ترین علم ہے کہ جس کے ذریعے نہ فقط انسان اپنی ذات کی معرفت حاصل کرتا ہے بلکہ ذات واجب الوجود کی معرفت بھی اپنی وجودی وسعت کے مطابق حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لیے تو "مدینہ العلم" اور "باب مدینہ العلم" کا ارشاد گرامی ہے: من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ یہ روابط تعاملی (Inter-active form) صورت میں موجود ہیں اور ان کے کچھ عمومی اور آفاقی اور ناقابل شکست اصول اور قوانین ہیں۔ ان روابط میں کے تناظر میں ترقی اور کمال ممکن ہو گا۔ ان اصولوں اور قوانین کی خلاف ورزی کے کچھ حتمی نتائج ہیں، جن سے انسان روبرو ہوتا ہے۔ ان میں کچھ قوانین کا تعلق عالم مادہ (Material and physical world) اور کچھ تعلق علم ماورائے مادہ (Metaphysical world) اور کچھ کا عالم اعتبار (Respectival social world) سے ہے، جن کا تعلق معاشرے اور اجتماع سے ہے۔

علامہ اقبالؒ اسلام اور مسیحیت کی وجودیاتی نگاہ کی خصوصیات کو بیان کرنے کے بعد دوبارہ علمیاتی مسائل کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ متحرک کائنات میں انسان کو ارادی طور پر متحرک ہونا پڑے گا تاکہ وہ اپنی ہستی میں اس خصوصیات کو پیدا کرے اور فیض خاص الٰہی کو وصول کر سکے اور اس کائنات کو تسخیر کر سکے: إِنَّ اللّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِمْ (11:13) ترجمہ: "بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔"

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں: "دونوں کا مطالبہ ہے کہ ہم اس روحانیت کا اثبات کریں جو ہماری ذات کے اندر موجود ہے۔ اختلاف ہے تو اتنا کہ اسلام نے عینی اور واقعی، قرآن کریم کی نظر سے حسی نظریہ علم اور علمیات کی بہت بلند مقام ہے: انسان کی خلقت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسی ادراک کے لئے حواس خمسہ بھی عطا کیے ہیں۔ یا حقیقت اور مجاز کے اتصال کا اعتراف کرتے ہوئے دنیاے مادیات کو رد نہیں کیا بلکہ لبیک کہتے ہوئے اس کی تسخیر اور تصرف کا راستہ دیکھلایا، تاکہ ہم اپنی زندگی کا نظم و انضباط واقعیت کی اس پر کریں۔"[33] علم الاسماکی آیت کے ذیل میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں: "وجہ تسمیہ کی قدرت، معانی قائم کرنا یعنی ان کو اپنے قابو میں لے آنا۔ علم انسان کی نوعیت تصوری ہے اور تصوری علم کا یہی حربہ ہے کہ جسے ہاتھوں میں لے کر انسان حقیقت مطلقہ مرئی اور قابل مشاہدہ پہلووں کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔"[34] علامہ اقبالؒ فقط اس آیت اس علمیاتی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے انسان اپنے افکار نظم دیتا ہے۔

یہاں پر ضروری ہے کہ گذشتہ بحث کا خلاصہ پیش کریں تاکہ قارئین فکر انتشار سے محفوظ رہیں۔ قرآن ایک جامعہ علمیات کی طرف انسان کی راہنمائی کرتا ہے جس میں انسان کے ادراکات حسی، عقلی اور قلبی سبھی شامل ہیں۔ انسان محسوس مشاہدے اور تجربے کے ذریعے کائنات کے بعض پہلوں کو تسخیر کرتا ہے جس کی طرف قرآن کریم نے واضح اشارے فرمائے ہیں: "اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک نے فطرت کے مشاہدے میں غور و فکر کی ترغیب دلائی تو اس لیے کہ ہم اس حقیقت کا شعور پیدا کریں جس کی عالم فطرت کو اس نے ایک آیت ٹھہرایا ہے لیکن یہاں توجہ طلب امر قرآن مجید کی وہ اختیاری روش ہے جس سے مسلمانوں کے اندر عالم واقعیت کا احترام پیدا ہوا اور جس کی بدولت آگے چل کر انہوں نے علوم جدیدہ کی بنیاد ڈالی۔"[35]

"فطرت کے انقلابات ہمیں نئے سانچوں میں ڈھالتے ہیں، غلبے کی کوشش، زندگی میں وسعت، تنوع اور بصیرت افزا۔۔۔ لازمانی کا تعقل پیدا کر سکیں، مرئی ماحول کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔۔۔ قرآن پاک نے ہمیں تغیر ایسی زبردست حقیقت کی طرف متوجہ کیا کیونکہ اگر ہم اس سے غفلت بتتے یا اسے قابو میں لانے کی کوشش نہیں کرتے تو ناممکن ہے کہ کوئی اور پائیدار تمدن کر سکیں۔"[36]

مذہبی مشاہدات اور علمیات کے دائرے میں وسعت کی ضرورت

علامہ اقبالؒ نے قرآنی علمیاتی کی خوبصورت تصویر کے ایک اور مفقود دائرے اور ذریعہ علم کی طرف تمام علما اور

فضلا کی توجہ مبذول کروائی ہے اور وہ قلبی ادراکات ہیں، قرآن کریم میں قلب کا لفظ ۱۳۲ مرتبہ اور صدر کا لفظ ۴۴ اور فواد کا لفظ ۱۶ مرتبہ بعنوان ذریعہ معرفت اور حکمت استعمال ہوا ہے۔ قلب اور فواد اللہ تعالی کی اتنی عظیم نعمت ہے کہ وہ ذات بابرکت نہیں چاہتی کہ انسان اس عظیم نعمت سے غفلت برتے اور اس کی مختلف قوتوں کو استعمال میں نہ لائے چونکہ اس سے غفلت برتنے کا نتیجہ جہنم ہے۔ تعجب کا مقام ہے اتنی عظیم نعمت کے ادراکات کو کیوں علمیات اور علوم انسانی کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ علمیات کی رو سے قلب، ایک ذریعہ علم ہے جس کے ذریعے ہم چیزوں کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں اور اپنی زندگی کے امور کو منظّم کرتے ہوئے ترقی اور کمال کی طرف سفر کر سکتے ہیں۔ ادراک بالحواس اور عقلی ادراکات کے علاوہ، علامہ اقبالؒ ایک اور ذریعہ علم کی طرف ہماری توجہ مبذول کرواتے ہیں جو قلب اور فواد ہے لیکن قلب کے ادراکات کا علمیاتی معیار نہ ہونے کی وجہ سے یہ باقاعدہ علم کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں: "اس کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہو گا کہ حقیقت سے، جیسا کہ اس کا انکشاف ہمارے اندرون ذات میں ہوتا ہے، براہ راست تعقل پیدا کیا جائے۔" [37]

حقیقت مطلقہ کے تمام و کمال لقا کی خاطر ادراک بالحواس کے ساتھ ساتھ اس چیز کے مدراکات کا اضافہ بھی ضروری ہے جسے قرآن کریم نے قلب اور فواد سے تعبیر کیا ہے [38] قلب کیا ہے؟ قلب ایک وجدان یا اندرونی بصیرت ہے جس میں مدد سے انسان حقیقت مطلقہ کے پہلوؤں سے اتصال پیدا کر لیتا ہے جو حواس خمسہ کے پہنچ سے کوسوں دور ہیں۔ انسان کا یہ معرفت، علم حضوری (Presentational Knowledge) کہلاتی ہے جس میں خطا نہیں ہوتی ہے، لہٰذا معرفت کا ذریعہ بہت زیادہ قابل اعتماد ہونا چاہیے۔" اس ذریعہ علم کی قدر و قیمت میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ واہمہ اور التباس نہیں، رد نہیں کرنا چاہیے، اہمیت دی جانی چاہیے۔" [39] علامہ اقبالؒ جدید نفسیات کے مختلف نظریات سے آگاہ شخصیت ہیں لیکن بعض نفسیات اصطلاحات کو عالم اسلام کے عظیم مفکر کی طرف دیتے ہیں: "بہر حال یہ ابن خلدون تھا جس نے عالم اسلام میں سب سے پہلے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز عمل کے معنی فی الحقیقت کیا ہیں اور پھر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرے ہوئے بڑی حد تک وہ مفروضہ قائم کر لیا جس کو آج کل نفوس تحت الشعور سے منسوب کیا جاتا ہے۔" [40]

نتائج

1) ایک ہمہ گیر علمیاتی نظریات کے بغیر جدید اسلامی تمدن کی تشکیل ممکن نہیں ہے، لہٰذا ڈاکٹر علامہ اقبالؒ اپنے خطبات کی شروعات علمیاتی بحث سے شروع کرتے ہیں اور یہ بحث تمام خطبات میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا یورپ میں فلسفے کی اسی شاخ کو بے حد اہمیت دی جاتی رہی ہے۔ گہری علمیاتی شناخت کی بنیاد پر انسان

نہ فقط اپنے فلسفی تفکر کو مضبوط کر سکتا ہے بلکہ اپنی علمی اور علمیاتی آرا (Epistemological opinion) کو اعتماد کے ساتھ، اپنے نظریات اور تحقیقات میں شامل کر کے عالمی علمی مراکز میں پیش کر سکتا ہے۔

2) ایک اہم ترین نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اساتذہ، محققین اور طالب علموں کی علمیاتی بنیادوں (Epistemological Foundations) کو مضبوط کیے بغیر انفرادی اور اجتماعی ترقی و کمال ممکن نہیں ہے۔ یورپ نے ریناسانس کے بعد جتنی بھی ترقی کی ہے، اس ترقی میں علمیات کا بنیادی کردار نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر علامہ اقبالؒ، حسی، عقلی اور قلبی ادراکات کو بہت زیادہ اور یکساں اہمیت دیتے ہیں اور وہ ان علامہ اقبالؒ کی نظر میں علم کے ذرائع یعنی حس، عقل اور قلب ایک دوسرے کے مقابل میں نہیں اور نہ ان کے درمیان تزاحم اور ٹکراؤ کی حالت پائی جاتی ہے بلکہ ان کے درمیان ایک خوبصورت تعامل اور تعاون کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ تمام ذرائع علم کی ایک خاص قسم کے حقائق اور واقعیات سے ان کا تعلق ہوتا ہے۔

*****

References۔

1 . Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, Mutrajam: Syed Nazir Niazi, “Knowledge and religious observations Philosophical standards Sermons” (Lahore, Caravan Press, 1958),

علامہ محمد اقبالؒ، *تشکیل جدید الٰھیات اسلامیہ*، ترجمہ سید نذیر نیازی، "علم اور مذہبی مشاہدات فلسفیانہ معیار خطبات"، (لاہور، کارواں پریس، 1958)، خطبہ نمر1، 2۔

2. Muhammad Taqi, Misba Yazdi, *Philosophical Instruction*, Vol.1 (New York, Institute for the Study of World Cultures, Binghamton University, 1999), 151.

3. Ibid.

4. Moser, Paul K. (2005). "Introduction". In Moser, Paul K. (ed.). The Oxford Handbook of Epistemology. Oxford University Press- Archived from the original on 19 May 2023. Retrieved 13 July 2024. /Fumerton, Richard A. (2006). Epistemology. Blackwell.

5 . Truncellito, David A. *"Epistemology"*. *Internet Encyclopedia of Philosophy*. Archived from the original on 13 January 2022. Retrieved 12 July 2024.

6. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 2-3.

علامہ محمد اقبالؒ، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ ، 3-2۔

7. Ibid, 2.

ایضاً، 2۔

8. Ibid, 3.

ایضاً، 3۔

9. Ibid, 2, 3.

ایضاً، 2، 3۔

10. Kausar Ali, *Philosophi Tafaker aur Aqali Tabiat*, (London, Al-Asr Islamic Scholastic Establishment, 2023), 43.

کوثر علی، فلسفی تفکر اور عقلی تربیت، (لندن، العصر اسلامک اسکولسٹک اسٹیبلشمنٹ، 2023)، 43۔

11. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 3, 4.

علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ، 3، 4۔

12. Ibid, 4.

ایضاً، 4۔

13. Muhammad ibn Hamza Fanari, *Misbah al-Ans*, (Tehran, Antasharat Mawli, 2024), 220.

محمد بن حمزہ فناری، مصباح الانس، (تہران، انتشارات مولی، 2024)، 220۔

14. Murtaza Mutahari, *Fitrat*, (Tehran, Antasharat Sadra, 1382 SH), 74.

مرتضی مطہری، فطرت، (تہران، انتشارات صدرا، 1382ش)، 74۔

15. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 6.

علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ، 6۔

16. Ibid.

ایضاً۔

17. Ibid, 7.

ایضاً، 7۔

18. Ibid, 10.

ایضاً، 10۔

19. Kant, Immanuel, *Critique of Pure Reason* (The Cambridge Edition of the Works of Immanuel Kant). (Cambridge, Cambridge University Press, 1999), Bxxvi-xxvii.

20. See! Mohamamd Iqbal, Reconstruction of Islamic Religious Thoughts, sermon No.1.
21. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 8.

علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ، 8۔

22. Kausar Ali, *Philosophi Tafaker aur Aqali Tabiat*, 74.

کوثر علی، فلسفی تفکر اور عقلی تربیت، 74۔

23. Muhammad Taqi, Misba Yazdi, *Philosophical Instruction*, Vol.1, (New York, Institute for the Study of World Cultures publisher, Binghamton University, 1999), 48.
24. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 9.

علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ، 9۔

25. Kausar Ali, *Philosophi Tafaker aur Aqali Tabiat*, 13, 14.

کوثر علی، فلسفی تفکر اور عقلی تربیت، 13، 14۔

26. Abdullah Javadi Amali, *Philosopha Sader*, Complete Summary, (Qum, Markaz Nashr Asara, 2020), 26.

عبداللہ جوادی آملی، فلسفہ صدر، تلخیص رحیق مختوم، (قم، مرکز نشر اسرا، 2020)، 26۔

27. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 10.

علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ، 10۔

28. Ibid.

ایضاً۔

29. Ibid.

ایضاً۔

30. Allama Muhammad Iqbal, *Tashkeel Jadeed Al-Hayaat Islamia*, 11.

علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الھیات اسلامیہ، 11۔

31. Ibid.

ایضاً۔

32. Ibid, 13.

ایضاً، 13۔

33. Ibid, 15.

ایضاً، 15۔

34. Ibid, 19, 20.

ایضاً، 19، 20۔

35. Ibid.

ایضاً۔

36. Ibid, 21, 22.

ایضاً، 21، 22۔

37. Ibid, 22.

ایضاً، 22۔

38. Ibid, 23.

ایضاً، 23۔

39. Ibid, 24.

ایضاً، 24۔

40. Ibid, 23, 24.

ایضاً، 23، 24۔